تعلیمی اور سماجی تحریکیں

1857ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط پورے طور پر قائم ہوگیا۔ ہندوستانی لوگ انگریزوں کے غلام ہوگئے۔ اب ہندوستانیوں پر فاتح قوم کی حیثیت سے انگریزوں کے مظالم اور استحصال کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ انگریزوں نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی۔ اس لیے ان کے مظالم کا نشانہ بھی زیادہ تر مسلمان ہی بنے۔ مسلمان سیاسی، اقتصادی، تعلیمی، سماجی گویا زندگی کی ہر سطح پر پست ہوتے گئے۔ ان پر مایوسی اور بددلی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ مسلمانوں کے برخلاف برادران وطن نے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضے کو سمجھ لیا اور برابر نئی تعلیم کی تلاش وجستجو میں مصروف رہے۔ ہندوستان کے تمام فرقوں میں تعلیمی اور سماجی تحریکیں پنپنے لگیں۔ سکھوں اور اکالی رہنماؤں کی طرف سے سکھوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی سماجی اور تعلیمی تحریکیں چلائی گئیں جن کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔

ہندو فرقے میں بھی راجا رام موہن رائے اور سوامی وویکا نند جیسے مصلحین منظر عام پر آئے اور روایتی میں مذہبی دقیانوسی عقائد وتصورات کو دور کرنے کے لیے سماجی تحریکیں چلائی گئیں جن کے نتیجہ میں ستی جیسے الم ناک رواج کو ختم کیا گیا اور ہندو مذہب میں بہت سی اصلاحات رونما ہوئیں۔

مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کا زمانہ بھی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہا۔ غدر 1857ء کے ایک عشرہ کے بعد ہی سرسید احمد خاں منظر عام پر آئے اور مسلمانوں کی سماجی اور تعلیمی پستی کا اندازہ لگایا۔ سرسید کے ساتھ ان کے رفقائے کار جیسے حالی، شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک جیسی شخصیات نے مسلمانوں کو بدلتے ہوئے حالات سے باخبر کیا اور تعلیم کی افادیت واہمیت کو واضح کرتے ہوئے ان کو حصول تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ سرسید نے مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ مذہب کے نام پر پھیلائی جانے والی جہالت کے خلاف عوام بالخصوص مسلمان کو ہوشیار و بیدار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ انہوں نے جہاں مادی، عقلی یا سائنسی علوم

کی اہمیت کا احساس دلایا وہیں مذہب کی حقیقت و اہمیت کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی۔ چنانچہ مذہبی اور میں بھی تدبر و تفکر کی ایک نئی روش قائم ہوئی۔

سرسید کی ان مخلصانہ کوششوں سے مسلمانوں کو بہت سہارا ملا۔ وہ اب پستی کے گڈھے سے رفتہ رفتہ نکلنے لگے۔ سرسید نے 1875ء میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے علی گڑھ میں 'مدرسۃ العلوم' نام سے ایک ادارہ قائم کیا پھر اس ادارے کو ترقی دے کر 1877ء میں 'محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (ایم۔اے۔او کالج) بنادیا اور اپنے رفقائے کار حالی، شبلی، نذیر احمد، محسن الملک اور وقار الملک کی مدد سے مسلمانوں میں نئی زندگی کی لہر دوڑا دی۔ اگرچہ مسلمانوں کے بعض طبقوں کی طرف سے سرسید کو شدید مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ نام نہاد مفتیوں کی طرف سے ان پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا گیا۔ مگر سرسید اور ان کے رفقائے کار کی ثابت قدمی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ 1920ء میں برٹش گورنمنٹ نے ایم۔اے۔ او کالج کو یونی ورسٹی کی حیثیت عطا کردی جو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے نام سے مشہور ہوا۔ یونی ورسٹی کے قیام کے بعد مسلمانوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کے دروازے کھل گئے۔ دیگر تمام برادران وطن نے بھی اس ادارے میں داخلہ لیا اور بلا امتیاز مذہب و ملت اس ادارے نے خدمات انجام دیں۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا قیام تمام اقوام کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ یہ روشنی ملک بھر میں پھیلتی چلی گئی۔ اب اس علمی مرکز سے تعلیم حاصل کر کے روشن دماغ نوجوانوں کی ایک جماعت نکلی جس نے نہایت خلوص کے ساتھ قوم کی سیاسی رہنمائی کی، جن میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، نواب سرسلیم اللہ، سر آغا خان، محمد علی جناب سر محمد شفیع، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، نواب محمد اسمٰعیل خاں، خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، نواب زادہ لیاقت علی خاں، آئی آئی چندریگر اور سردار عبدالرب نشتر و دیگر حضرات شامل ہیں۔ ابتدائی دور میں یہ جماعت مسلمانوں کی تعلیمی اور سیاسی تعمیر میں مصروف رہی لیکن بعد میں چند مسلمان حضرات نے اپنے اپنے سیاسی راستے الگ بنائے وہ برادران وطن کے ساتھ جا ملے۔ بقیہ تمام لوگوں نے شروع سے آخر تک قدم قدم پر قوم پرست لوگوں کا ساتھ کا ساتھ دیا اور طرح طرح کی قربانیاں دے کر جدوجہد آزادی کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان رہنماؤں کے ساتھ جو لوگ ملک کی آزادی کی لڑائی میں قدم قدم پر سینہ سپر رہے ان میں محمد علی جناح، مولانا حسرت موہانی، لیاقت علی خاں اور علی برادران کا سیاسی قومی مرتبہ ثابت قدمی کے لحاظ سے نہایت بلند رہا ہے۔

اس جماعت میں ان مسلمانوں کی کثرت تھی جنھوں نے ملک کو انگریزوں کی غلامی سے چھڑانے میں تن من دھن کی بازی لگادی اور سیاست کے میدان میں پوری قوم کی ر ائی کرتے ہوئے جنگ آزادی کے لیے اپنی اپنی زندگی وقف کر دی۔

1857ء کے ناکام انقلاب کے بعد انگریزوں اور ان کے غیر ملکی اثرات نے اپنی سیاسی قوت کو ہندوستان میں مستحکم کرنے کے لیے اور اس ملک کو لوٹ کھسوٹ کر غریب بنانے کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ کچلا۔ اس طرح آزادی کی خاطر ان مسلم رہنماؤں کو تین محاذوں پر سیاسی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

پہلی لڑائی انگریزوں کے خلاف لڑنی پڑی جو 1947ء تک مسلسل جاری رہی، دوسری لڑائی اپنے ہی ناسمجھ اور خود غرض بھائیوں کے ساتھ لڑنی پڑی جو جہالت کی وجہ سے اخلاقی پستی میں چلے گئے تھے۔ تیسری اور آخری لڑائی ان سیاسی و سماجی خدمت گاروں کو برادران وطن کے ساتھ لڑنی پڑی جسے شروع سے ہی خود مسلمانوں نے مضبوط بنایا۔ اور آخر کار اس فرقہ پرست طاقت نے ہمیں ہی مٹانے کی کوشش کی اور انگریزوں کی جگہ خود اس ملک کا مالک بن کر ہم کو غلام بنانے کا ارادہ کرلیا۔ کانگریس جیسی سیکولر پارٹی میں بھی بعض ایسے لیڈر موجود تھے جن کا فرقہ پرست طاقتوں سے قریبی تعلق تھا۔

سرسید نے بدلتے ہوئے حالات اور زمانے کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ ملک کے دیگر فرقے اب بھی مسلمانوں سے بہت آگے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اب زمانہ بدل رہا ہے۔ ہمیں دوسری قوموں کی برابری کرنا ہے اور ان کا مقابلہ اسی وقت کر سکتے ہیں جب ہم نئے علوم سیکھیں۔ مسلمان اپنے دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ نئے علوم کو بھی سیکھیں۔ سرسید اور ان کے رفقائے کار نے ابتدا میں مسلمانوں کو انگریزوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی تعلیم دی تاکہ انگریز ان کے وجود کو ختم نہ کریں۔ مگر ساتھ ہی اپنی تعلیمی اور مذہبی روایات کو بھی زندہ رکھنے کی ہدایت کرتے تھے۔ سرسید کی اس سماجی اور تعلیمی تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہندوستان میں اپنے وجود کو باقی رکھ سکے۔

مشقی سوالات

1. سرسید کی علمی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
2. ہندوستان میں سماجی اور تعلیمی تحریکات کا جائزہ لیجیے۔